حضرت مولانا حافظ محمد گوندلوی مدظلہ

دوامِ حدیث

ظن اور حجیت

اصولِ فقہ میں مبادی لغویہ کی بحث میں قرآنی الفاظ کو خفاء اور ظہور کے اعتبار سے چند اقسام پر منقسم کیا گیا ہے اور خفاء کے لحاظ سے چار اقسام بیان کیے ہیں:

خفی ـــ مشکل ـــ مجمل ـــ متشابہ

خفی کا بیان

خفی اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے معنی پر کچھ پردہ پڑ جائے۔ اس کی وجہ یہ نہ ہو کہ لفظ کے لغوی معنی میں کچھ خفاء ہو بلکہ کسی اور عارضہ کی بنا پر ہو اس وجہ سے اس کا معنی ظاہر نہ رہے جیسے (سارق) (چور) کا لفظ لغوی معنی کے اعتبار سے تو اس میں کوئی خفاء نہیں مگر سارق (چور) کے بعض مصداق ایسے ہیں جن کے عرف میں اور نام مشہور ہو گئے ہیں جیسے جیب تراش، کیسہ بر، کفن بر۔ اب یہ شبہ گزرتا ہے کہ ان کو سارق (چور) کہا جائے یا نہ۔ تحقیق کے بعد اس کا معنی معلوم ہو سکتا ہے۔

مشکل

مشکل اس لفظ کو کہتے ہیں جس میں نفس صیغہ میں بھی کچھ خفاء ہو مثلاً ایک لفظ مشترک ہو مگر ایک

معنی کی تعیین پر کوئی قطعی دلالت نہ ہو جیسے اَنّٰی کا لفظ آیت فَأْتُوا حَرْثَكُمْ اَنّٰی شِئْتُمْ (اپنی کھیتی کو جیسے چاہو آؤ) میں ہے۔ اس آیت میں لفظ اَنّٰی مشترک ہے اس کے دو معنی ہیں:

ایک معنی ہے کیف (جس طرح) یعنی جس حالت میں تم چاہو۔

دوسرا معنی ہے این (جہاں) یعنی جس جگہ چاہو۔

اب ایک فریق (شیعہ) جو دوسرے معنے کو لیتا ہے وہ عورت سے غیر فطری مجامعت کو جائز قرار دیتا ہے۔ اور جو فریق پہلا معنی لیتا ہے وہ آیت سے جواز کا قائل نہیں ہوتا بلکہ قیاس اور حدیث اور سیاق و سباق سے اس کو حرام قرار دیتا ہے۔

۱۔ احادیث کی صحت میں اگرچہ اختلاف ہے مگر مجموعہ کے اعتبار سے قابل استناد ہیں (۲) قیاس کی صورت یہ ہے کہ مردوں سے لواطت چونکہ حرام ہے اسی طرح عورت سے بھی حرام ہونی چاہیے۔

۳۔ حیض میں مباشرت کی ممانعت میں چونکہ لفظ اذًی (گندگی) مذکور ہے اس سے بھی یہ نکالتے ہیں کہ غیر فطری مجامعت چونکہ گندگی کی جگہ ہوتی ہے اس لیے حرام ہے۔

اسی طرح لفظ حرث (کھیتی) سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ غیر فطری مجامعت کا محل کھیتی کی جگہ نہیں بلکہ گندگی کی جگہ ہے مگر ان قیاسات سے دلالت قطعی نہیں ہوتی اس لیے اس لفظ اَنّٰی کو کیف کے معنی میں مؤول کہتے ہیں۔

مؤول اس لفظ کو کہتے ہیں جس کے دو معنوں میں سے ایک معنی کو غلبۂ ظن کی بنا پر ترجیح دی جائے۔ پس مؤول کی دلالت ظنی ہوگی۔

مجمل

اس لفظ کو کہتے ہیں جہاں مختلف معانی سے ایک معنی کو ترجیح دینے کے لیے متکلم کی طرف رجوع کرنا پڑے جیسے آیت وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (اللہ نے بیع حلال کی اور ربا حرام کی)۔

اس آیت میں ربا کی کوئی تفسیر نہیں کی، نہ کسی دوسری آیت میں اس کا ذکر ہے نہ ہی سیاق و سباق سے کچھ پتہ چلتا ہے۔ ہاں روایت اور سنت میں اس کی تفسیر موجود ہے

پس جو شخص محض لغت سے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا لاچار ہو کر عہد رسول اللہ

وصلی اللہ علیہ وسلم) کے عرف کا تتبع کرے گا، وہ عرف تو روایت کی کتابوں میں ہی ملے گا پھر لغت کی کتابیں بھی خبر واحد کے حکم میں ہیں بلکہ اس سے بھی کم۔ پس مسئلہ ظنی بن جائے گا۔

متشابہ

جہاں متکلم کی مراد بالکل مجہول ہو، متکلم سے بھی بیان کی توقع نہ ہو جیسے حروف مقطعات۔ مگر ان حروف کو اس صورت میں متشابہات میں داخل کر سکتے ہیں۔ جب ان حروف سے ان کے اپنے معانی مراد نہ ہوں۔ اگر ان حروف سے ان کے اپنے معانی مراد لیے جائیں تو پھر یہ حروف متشابہات میں داخل نہیں ہوں گے۔ بعض اس جگہ آیات صفات کو پیش کرتے ہیں مگر ان آیات میں معانی کے اعتبار سے تشابہ نہیں بلکہ خارجی کیفیت کے اعتبار سے تشابہ ہے۔

قرآن مجید میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن میں دو احتمال ہیں لیکن کسی ایک کو ترجیح دینے کی کوئی ٹھوس دلیل نہیں۔

پہلی مثال: لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا (والدہ اپنے بچے کی وجہ سے ضرر نہ دی جائے یا ضرر نہ دے۔ (البقرہ)

اب لفظ لَا تُضَآرَّ میں معلوم اور مجہول دونوں مساوی احتمال ہیں۔ جو اختلاف قرأت کے قائل ہیں وہ دونوں معنے مراد لے سکتے ہیں مگر جو مختلف قراءت کے قائل نہیں جیسے منکرین حدیث وہ کیا کریں گے؟

دوسری مثال: وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ (نہ ضرر دیا جائے یا نہ ضرر دے منشی اور نہ گواہ (البقرہ)

یہاں بھی دونوں احتمال مساوی ہیں۔

تیسری مثال: وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ (قسم ہے رات کی جب آئے یا جائے) تکویر

یہاں بھی دونوں احتمال مساوی ہیں۔

چوتھی مثال: اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (یا وہ معاف کرے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (بقرہ)

ولی اور خاوند دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ اگر ایک کو ترجیح دی جائے گی تو قطعی نہیں ہو گی۔

پانچویں مثال وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ طلاق والی عورتیں تین حیض یا تین طہر انتظار کریں۔ (البقرہ)

حیض یا طہر دونوں کا مساوی احتمال ہے۔

منکرینِ حدیث قرآن کی تفسیر میں متفق نہیں جس سے صاف اور واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی دلالت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے۔ بلکہ مقام حدیث جلد اول کے صفحہ ۸۶ میں ہے:

"میں اپنے فہم قرآن کو کبھی سہو و خطا سے مبرا نہیں سمجھتا۔"

پس ثابت ہوا کہ قرآنی دلالت ہمیشہ یقینی نہیں ہوتی۔

یقین اور ظن میں فرق

یقین کی تحقیق ہو چکی ہے مگر ظن کے متعلق کچھ نہیں کہا گیا۔ اس لیے اس کے متعلق بھی کچھ سنیے

ظن کا لفظ کبھی یقین کے مقابل بولا جاتا ہے۔ اس وقت کبھی لفظِ ظن سے وہ تصدیق مراد ہوتی ہے جس میں دوسری جانب کا بھی احتمال ہو مگر کمزور ہو جیسے محکم کے علاوہ باقی الفاظ (**ظاہر۔ نص۔ مفسر**) کے مفہوم میں احتمال ہوتا ہے اور احتمال کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

ظاہر

اس کلام کو کہتے ہیں جس کے سننے سے ہی سننے والے پر اس کی مراد ظاہر ہو جائے۔ غور و فکر کی ضرورت نہ پڑے۔

نص

اس کلام کو کہتے ہیں جس کے سننے سے مراد بھی معلوم ہو جائے اور متکلم نے بھی اسی لیے وہ کہا

ہو۔ ان دونوں کی مثال یہ ہے:

"وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو (اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا (سود) کو حرام ٹھہرایا ہے۔"

یہ آیت بیع اور سود میں فرق کرنے کے لیے اتاری گئی ہے۔ کفار کے اس قول کی تردید مقصود ہے جو کہتے تھے ۔۔۔ اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰو (بیع اور سود برابر ہیں) اور اس آیت سے بیع کی حلت اور سود کی حرمت سنتے ہی معلوم ہو جاتی ہے۔ پس یہ آیت سود اور بیع میں فرق کرنے کے لیے تو نص ہو گی اور بیع کی حلت اور سود کی حرمت میں ظاہر ہو گی۔ ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان پر عمل کرنا تو واجب ہو گا مگر ان کا مفہوم یقینی نہیں ہو گا کیونکہ ان میں تاویل و تخصیص کا احتمال قائم ہے حقیقی معنی میں مجازی معنی کا احتمال ہوتا ہے اور عام میں تخصیص ۔۔۔۔۔۔ کی گنجائش ہوتی ہے۔

مفسّر

مفسر اسے کہتے ہیں جو نص سے زیادہ واضح ہو اور اس میں تخصیص اور تاویل کا احتمال نہ رہے مگر نسخ کا احتمال باقی ہو۔ مفسر کی دلالت تو قطعی ہوتی ہے مگر نسخ کے احتمال سے محکم کی طرح قطعی نہیں ہوتا نص اور ظاہر کی دلالت بھی قطعی نہیں ہوتی۔ اس لیے ان کو دلالت کے اعتبار سے ظنی کہا جائے گا ظنی کا یہ مفہوم منطقی ہے اور اہل علم عام طور پر ظن کا لفظ بول کر یہی معنی مراد لیتے ہیں مگر عرف میں اس کو یقین بھی کہتے ہیں اور قرآن نے بھی اس کو علم ہی کہا ہے۔ ۵

هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا — کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو پیش کرو تم تو
اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ — ظن کی ہی پیروی کرتے ہو۔

اس جگہ علم کا لفظ بول کر مسائل وحی کو بھی مراد لیا ہے جیسا کہ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ وحی کے الفاظ میں بعض ایسے الفاظ بھی ہوتے ہیں جن کی دلالت منطقی لحاظ سے ظنی ہوتی ہے پس معلوم ہوا کہ ایسے ظن کو قرآن علم سے تعبیر کرتا ہے۔

ظن، کا ایک اور معنی (جس کی قرآن مذمت کرتا ہے) وہ شک کا ہے جیسے:

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ — ہم صرف گمان کرتے تھے یقین نہیں کرتے تھے

ظن کا اطلاق یقین پر بھی ہوتا ہے جیسے:

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ — وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کو ملنے والے ہیں۔ (البقرہ)

جس ظن کی قرآن مذمت کرتا ہے وہ شک کے معنے میں ہے اور جس کو منطقی ظن کہتے ہیں۔ قرآن اس کو علم کہتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ (ممتحنہ)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایماندار عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کا امتحان کرلیا کرو۔ ان کے ایمان سے اللہ خوب واقف ہے۔ اگر تم کو ان کے ایمان کا علم ہو جائے تو ان کو کافروں کے حوالے نہ کرو۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کے دل کا پتہ لگانا انسان کے لیے محال ہے پس مہاجر عورتوں کے امتحان کرنے سے جو تصدیق حاصل ہوگی وہ منطقی اصطلاح میں غیر یقینی ہوگی مگر قرآن اس کو علم کہتا ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انسانی کوشش سے جو تصدیق ہوگی وہ شریعت میں علم ہے وہ ظن نہیں جس کی قرآن مذمت کرتا ہے۔

ماقبل کا خلاصہ

۱۔ قرآن مجید اگرچہ ثبوت کے لحاظ سے متواتر ہے مگر قرآن ہونے کے لیے اس کا متواتر ہونا ضروری نہیں۔

۲۔ قرآن مجید دلالت کے اعتبار سے بہت جگہ ظنی ہے۔ خاص کر اگر روایت اور تعامل سے مدد نہ لی جائے۔

(الف) کیونکہ امور نقلیہ کے افادۂ مقصود کے لیے جن امور کی ضرورت ہے وہ سب کے سب ظنی ہیں۔

(ب) جن کے نزدیک ادلۂ نقلیہ سے یقین ہوسکتا ہے ان کے نزدیک بھی ہر جگہ یقین حاصل نہیں ہوتا۔

۳۔ قرآن مجید جن لوگوں نے آنحضرت سے سنا پھر اور لوگوں کو سنایا ان کے نزدیک بھی قرآن، قرآن

ہی تھا حالانکہ اس وقت ان کو تواتر سے نہیں پہنچا

۴۔ قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن کا مدلول یقینی طور پر متعین نہیں ہو سکتا۔ پس ان کی دلالت ظنی ہوئی۔

۵۔ منطقیوں کے نزدیک قرآن مجید بلحاظ مضمون یقینی نہیں بلکہ ظنی چیز ہے یعنی مقبولات میں داخل ہے جو غیر یقینی ہیں۔

۶۔ قرآن مجید میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن میں دو احتمال مساوی موجود ہیں۔

۷۔ احادیث کا وہ حصہ جس کا دین سے تعلق ہے۔ اکثر یقینی ہے۔ کیونکہ کچھ تواتر لفظی سے اور بہت سا تواتر معنوی سے ثابت ہے اور بہت سی احادیث وہ ہیں جن پر امت کا اجماع ہے اور بہت سی ایسی ہیں جن کی صحت پر اجماع ہے۔ یہ سب امور ثبوت کے اعتبار سے یقینی ہیں۔ ان کے علاوہ وہ حدیثیں رہ جاتی ہیں جن کی صحت مختلف فیہ ہے ان کے بارہ میں حقیقت حال کا سراغ لگانا کوئی مشکل نہیں۔ ان کی صحت و سقم کے بارہ میں ایک محقق کے لیے مقام علم تک پہنچنا آسان ہے۔

۸۔ حدیث جیسے یقینی ہوتی ہے کبھی ظنی بھی ہوتی ہے۔ جیسے قرآن کبھی ظنی ہوتا ہے اور کبھی یقینی۔

۹۔ حدیث خواہ خبر واحد کے ذریعہ پہنچے یا قرآن دونوں پر عمل لازم آتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ (سورہ توبہ)

کیوں نہیں ہر فرقہ سے ایک یا دو یا زیادہ آدمی نکلتے کہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو جا کر ڈرائیں۔ شاید وہ ڈر جائیں۔

اس آیت میں دینی علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ ہر فرقے سے ایک طائفہ نکلے اور علم پڑھ کر اپنی قوم کو وعظ و تبلیغ کرے۔

قاموس میں لکھا ہے:

والطائفة القطعة من الشیء او الواحد فصاعدا

طائفہ کسی چیز کے ٹکڑے یا ایک یا ایک سے زیادہ کو کہتے ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے اگر ایک آدمی بھی واقف ہو جائے تو وہ اپنی قوم کو اکیلا ہی جاکر تبلیغ کر سکتا ہے۔ حالانکہ ایک کی خبر خبرِ واحد ہی ہے جو ظنی ہے۔ پس جب اپنی قوم کو قرآن پڑھائے گا یا سنائے گا تو ضروری ہے کہ اس کی قوم اس پر اعتماد کر کے قرآن کو قرآن کہے گی اور قرآن ہی سمجھے گی۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کہنے اور قرآن سمجھنے کے لیے ضروری نہیں کہ تواتر سے پہنچے اگر تواتر ضروری ہوتا تو ایک کثیر التعداد کو جانے اور وعظ کرنے کا حکم ہوتا۔

۱۰۔۔۔ ظن کے چار معنے ہیں:

ایک یقین ہے جیسے:

يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ يقین کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کو ملنے والے ہیں۔

دوسرا ظن غالب ہے جس کو قرآن نے علم کہا ہے اور حدیثوں میں سے خبر واحد کو بھی بعض لوگ اسی معنی سے ظنی کہتے ہیں۔ ایسے ظن کو یقین بھی کہتے ہیں

تیسرا معنی شک اور وہم ہے جیسے بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ

چوتھا معنی جھوٹ ہے جیسے:

اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ یہ لوگ صرف جھوٹ بولتے ہیں۔

اسی تیسرے اور چوتھے معنے کے لحاظ سے ظن کی مذمت کتاب و سنت میں وارد ہے:

حَيْثُ وُجِدَ الظَّنُّ مَذْمُوْمًا مُتَوَعَّدًا عَلَيْهِ بِالْعِقَابِ فَهُوَ الشَّكُّ [1] جہاں ظن کی مذمت وارد ہے اور اس پر عذاب کی وعید ہے اس سے مراد شک ہوگا

وقال ثعلب:

اَلْعَرَبُ تَجْعَلُ الظَّنَّ عِلْمًا وَّشَكًّا وَّكَذِبًا [2] عرب ظن کو علم، شک اور جھوٹ میں استعمال کرتے ہیں۔

۔۔۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۔۔۔

---

[1] اتقان، ج ۱، ص ۲۶۳ [2] اتقان، ج ۱، ص ۱۶۳